تصدیق
جلد ۰۱ شمارہ ۰۶، ۲۰۲۴

Article

The Connection of Fiction and Faction: Gudria by Ashfaq Ahmed

اشفاق احمد کا گڈریا: فکشن اور فیکشن کا اتصال

Sajida Aslam
PhD Scholar, Department of Urdu, The Women University, Multan
Correspondence: sajidarao94@gmail.com

ساجدہ اسلم
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

ABSTRACT: Ashfaq Ahmed entered Urdu literature through short story writing. His first short story "Touba" was published in the monthly "Adabi Duniya" in 1942. However, literary fame came from the epic "Gudriya". Which is called fiction written in the context of migration. But a hidden aspect of this legend is that the story told orally by the narrator in "Gudriya" is the life of Ashfaq Ahmed himself. In which the town Muktsar, elder brother Aftab, Ammaji, father being a doctor and failing In 9th class are all his own real life events and relationships. The purpose of the paper is to clarify these similarities which are facts by presenting evidences from fiction and Ashfaq Ahmad's biography "Baba Sahiba", Bano Qudsia's biography "Rah-e-Rawan" and other books. Also to state that this literature written in the form of fiction is the best example of faction.

KEYWORDS: Short Story Gudria, Faction; Dauji, Ashfaq Ahmed, Town Muktsar, Baba Sahiba, Rah e Rawan

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/kyvhcm74
Received:03-06-2024
Accepted:12-07-2024
Online:13-07-2024

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اُردو ادب کی عمارت کو بلند کرنے والی شخصیات میں اشفاق احمد نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ادب میں اشفاق احمد کا ظہور افسانہ نگاری سے ہوا۔ اشفاق احمد کا پہلا افسانہ ''توبہ'' ماہنامہ ''ادبی دنیا'' لاہور سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔ اشفاق احمد تقسیم سے پہلے افسانے لکھ رہے تھے جو مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ ان کے کل چھے افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے۔ یہ مجموعے طویل وقفوں سے طبع ہوئے۔ اشفاق احمد جب ایم۔ اے کے دوسرے سال میں تھے تب ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ایک محبت سو افسانے'' ۱۹۵۱ء میں مکتبہ جدید سے شائع ہوا۔ اس میں کل تیرہ افسانے شامل ہیں۔

اشفاق احمد کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''اُجلے پھول'' ۱۹۵۷ء بک لینڈ سے شائع ہوا۔ جس سے اشفاق احمد کی ادبی حیثیت مستحکم ہو گئی۔ ۱۹۹۳ء میں یہی مجموعہ ''گڈریا'' کے نام سے طبع ہوا۔ اس مجموعے میں آٹھ افسانے اور ایک روم کی رپورتاژ شامل ہے۔ ''اُجلے پھول'' میں شامل افسانہ ''گڈریا'' اشفاق احمد نے ۱۹۵۳ء میں لکھ کر ''نقوش'' کے لیے بھیجا۔ پہلے اس کا نام ''گلہ بان'' پھر ''چرواہا'' اور آخر میں ''گڈریا'' رکھا گیا۔ اشفاق احمد کا یہ افسانہ ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ سعادت حسن منٹو جو خود کو بہت بڑا ادیب مانتے ہیں انہوں نے بھی اشفاق احمد کے اس افسانے کی تعریف کی۔ انتظار حسین اس افسانے کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

> ''نقادوں اور افسانے کے سنجیدہ قارئین نے جس افسانہ کو زیادہ اہمیت دی اور جس سے زیادہ اُمیدیں وابستہ کیں وہ اشفاق احمد کا افسانہ تھا۔''(۱)

اس افسانے کی غیر معمولی شہرت نے سب کو گرویدہ بنائے رکھا ہے۔ تحقیق چونکہ دریافت شدہ گوشوں کی تعبیرِ نو اور نادریافت پہلوؤں تک رسائی ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ دریافت کیا جائے کہ ''گڈریا'' کی کہانی حقیقت پر مبنی ہے یا فکر و تخیل کی آنچ سے تیار شدہ ہے۔ اگرچہ یہ سمجھنا بے حد مشکل ہے اور گمان غالب ہے کہ یہ دِقت اشفاق احمد کی دانستہ پیدا کردہ ہے ۔ تاہم داخلی و خارجی شہادتوں سے اصل حقائق جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ جاننا ناگزیر ہے کہ اگر افسانہ ''گڈریا'' حقیقت پر مبنی ہے تو اسے کونسی ادبی اصطلاح کا نام دیا جائے گا۔

اس تناظر میں، Faction'' ''ایک ایسا ادبی آلہ کار اور بیانیہ ہے جو حقیقت پر مبنی معلومات کو افسانوی انداز میں تخیل کی آمیزش کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ ایک منفرد اور دلکش بیانیہ تخلیق کیا جا سکے۔ فیکشن ناولوں سے لے کر سوانحی ڈراموں تک ہر چیز میں استعمال ہوتا ہے، اس میں تاریخی شخصیات اور واقعات پر کوئی ناول، افسانہ اور ڈرامہ یا فلم پیش کرنا ہے۔ جیسے کہ ہجرت کے واقعے اور تقسیم ہند پر بے شمار افسانے، ناول ڈرامے اور فلمیں بنائی گئی۔ فیکشن تاریخ، سائنس اور دیگر مضامین کو مزید قابل

رسائی اور دلچسپ بنانے کا بھی ایک بہترین طریقہ ہے۔ فیکشن (Faction) کے بارے میں مشتاق احمد یوسفی اپنی کتاب ''آب گم'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''آب گم کے پانچ کہانی نما خاکوں میں آپ جو کچھ ملاحظہ فرمائیں گے، اس کا ان دوستوں کے واقعاتِ زندگی یا ان کے احباب، بزرگوں اور لواحقین سے قطعاً کوئی تعلق یا مماثلت نہیں ہے۔۔۔۔۔یوں بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ فکشن ہے یا سچی واردات یا ان دونوں کا ملغوبہ جسے آج کل Faction (Fact + Fiction) کہا جاتا ہے۔''(۲)

فیکشن کا استعمال درج ذیل اصناف میں کثرت سے کیا جاتا ہے:

۱. تاریخی افسانہ: تاریخی واقعات یا اعداد و شمار کو افسانوی کہانی میں شامل کرنا۔ جیسے کہ ہجرت کے واقعات، تقسیمِ بنگال، نائن الیون، کووِڈ-۱۹ کو افسانے کی صورت میں بیان کیا گیا۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں سے ''کھول دو''، ''ٹھنڈا گوشت'' اور ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں جس المیے کی تصویر کشی کی گئی ہے وہ واقعات سیاسی صداقت رکھتے ہیں۔

۲. سوانحی ناول: حقیقی لوگوں کی زندگیوں کو افسانوی طرز پر پیش کرنا۔ جیسے کہ ''ابن الوقت'' اور ''فردوسِ بریں'' میں حقیقی واقعات و شخصیات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ نیز ''علی پور کا ایلی'' اور ''الکھ نگری'' میں ممتاز مفتی نے اپنی سوانح کو افسانوی عناصر کی آمیزش سے پیش کیا۔

دستاویز: دستاویزی طرز کے حقائق پر مبنی مواد کو افسانوی عناصر کے ساتھ ملانا، جیسے کہ ڈرامہ نگاری۔ حسینہ معین کا ڈرامہ ''تنہا'' اور ''داستان'' بھی حقائق پر مبنی ہیں۔ پاک فوج کے بارے میں ایک ڈرامہ ''الفابراووچارلی'' دستاویزی طرز کا فیکشن ہے۔ اور ٹی وی ڈرامہ ''باغی'' (۲۰۱۷) قندیل بلوچ کی حقیقی زندگی پر بنایا گیا ہے۔ جس میں ڈرامے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حقائق کے ساتھ ڈرامائی عناصر بھی شامل کیے گئے ہیں۔

۳. تخلیقی نان فکشن: حقائق پر مبنی معلومات کو کہانی سنانے کی شکل میں پیش کرنا، اکثر ذاتی یا عکاس لہجے کے ساتھ۔

۴. بیانیہ صحافت: حقائق پر مبنی خبروں یا معلومات کو زیادہ دل چسپ انداز میں پیش کرنے کے لیے کہانی سنانے کی تکنیک کا استعمال کرنا۔

فیکشن کے بارے میں یہ چند مثالیں ہیں جو تاریخی و حقیقی واقعات اور افسانوی عناصر کا ملغوبہ ہیں۔ ان میں حال ہی میں بنائی گئی فلم سیریز ''ہیر امنڈی'' کا بھی شمار ہوتا ہے جو اصل ہیر امنڈی سے ترغیب لے کر فلمائی گئی ہے، تاہم اس میں حقائق کے ساتھ تخیلاتی اور افسانوی عناصر کا بہت زیادہ استعمال کر کے دلکش بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

"Faction" کی اصطلاح سے واقفیت کے بعد اشفاق احمد کے افسانہ "گڈریا" کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس افسانے کے بارے میں تنقید نگاروں اور تجزیہ نگاروں کی عمومی رائے یہ ہے کہ "گڈریا" ہجرت کے تناظر میں لکھے جانے والا افسانہ ہے۔ اور اسے ہندو مسلم دوستی کی مثال سمجھا جاتا ہے یا پھر کرداری افسانہ۔ تاہم "گڈریا" کے موضوعاتی مطالعہ سے ہندو مسلم تہذیب اور بھائی چارے کی وضاحت ضرور ہوتی ہے لیکن اسے ہجرت کے تناظر میں لکھے جانے والا افسانہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ ۴۳ صفحات پر مشتمل اس افسانے میں ہجرت کے واقعہ کو صرف اختتامی ۲ صفحوں پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس ہجرت کا ذکر بھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کے بعد مصنف نے داؤ جی کو کبھی نہیں دیکھا کیونکہ وہ خود ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے۔

مقالہ کا مقصد چونکہ افسانہ "گڈریا" کے بارے میں یہ جاننا ہے کہ اس میں اشفاق احمد کی زندگی کے کتنے حقائق موجود ہیں لہذا افسانے کے فکری و فنی محاسن کو بیان کرنے سے دانستہ اجتناب کیا گیا ہے۔ البتہ مماثلتوں کے لیے افسانے اور اشفاق احمد کی سوانح سے استفادہ کیا ہے۔ اشفاق احمد کی سوانح "بابا صاحبا" کا مطالعہ کریں تو ان کے بچپن کے واقعات سے یہ منکشف ہوتا ہے کہ ان کی زندگی دیہات میں رہنے والے عام بچوں کی طرح ہی تھی۔ جو زندگی کی بوقلمونیوں سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہاں ان کے گھر اور قصبے کی تصویر کشی ضروری ہے تاکہ افسانے میں موجود ماحول کو سمجھا جاسکے کہ یہ منظر کسی مصوّر نے خیالی طور پر اپنے فن کی معراج سے تعمیر کیا ہے؟ یا پھر مصنف کی ذہنی سطح پر پہلے سے کہیں موجود تھا؟ اے حمید کے پوچھنے پر اشفاق احمد انہیں اپنے جائے سکونت اور قصبے کی تفصیلات باہم پہنچاتے ہیں کہ:۔

> "جس قصبے میں وہ پیدا ہوا اس کا نام مکتسر تھا۔ مکتسر فیروز پور شہر سے پچاس میل دور تھا۔۔۔ جھنڈ، کریر، پھلاہی کے درخت عام تھے۔ کہیں کہیں ٹاہلیاں بھی تھیں۔ اس مکتسر کے قصبے میں ہجر واری پتی محلہ تھا۔ اس محلے میں ہمارا ایک حویلی نما مکان تھا۔ ایک منزلہ گھر کے پھاٹک کے سامنے گلی کراس کریں تو ایک واڑہ تھا۔ جس میں گھوڑے، بھینسیں وغیرہ بندھی ہوتی تھیں۔۔۔۔ یہاں دو تالاب بھی تھے۔۔۔ تالاب کے کنارے شریہنہ، جامن اور ٹاہلیوں کے درخت تھے"۔ (۳)

اشفاق احمد افسانہ "گڈریا" میں جس قصبے، نہر، واڑے اور اپنے گھر کا نقشہ بتاتے ہیں وہ درج بالا معلومات سے مشابہہ ہے۔ بانو قدسیہ بتاتی ہیں کہ اشفاق احمد کو ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسلامیہ دینی مدرسہ میں داخل کروایا گیا۔ یہ سکول مسجد میں قائم تھا۔۔۔ اس سکول میں ٹاٹوں پر بیٹھ کر قلم سے تختی پر لکھا کرتے تھے۔ پانچویں جماعت میں اشفاق احمد کو انگریزی سکول میں داخل کروادیا گیا۔ (۴) جبکہ "گڈریا" کے راوی اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بتاتے ہیں:

"اسلامیہ پرائمری سکول سے چوتھی پاس کر کے میں ایم۔بی ہائی سکول کی پانچویں جماعت
میں داخل ہوا"۔(۵)

درج بالا دونوں بیانات میں اسلامیہ اور انگریزی ایم۔بی ہائی سکول سے تعلیم حاصل کرنے کا بتایا گیا ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار داؤ جی، راوی سے اس کے بھائی آفتاب کی بابت خطوط کا پوچھتے ہیں نیز اس کی ذہانت کی تعریف کرتے ہیں۔ افسانے کا یہ کردار اشفاق احمد کا حقیقی بھائی ہے۔ جن کے بارے میں خود اشفاق احمد بتاتے ہیں کہ آفتاب بھائی بہت ذہین تھے اور جب پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو والد کے خوابوں کو پورا کرنے کا سوچ کر پھر سے متحرک ہو جاتے۔ اپنی والدہ کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اماں کا چولہا کھلے صحن میں تھا۔ نہ اس پر دھوپ سے بچنے کی کوئی اوٹ تھی نہ بارش سے بھیگنے
میں کوئی رکاوٹ۔۔۔۔ آفتاب بھائی اگر گھر پر ہوتے تو وہ چولہے کی دیوار کے ساتھ ایک منجی
کھڑی کر کے اس پر مجنوں ڈال دیتے اور اماں کے لیے سایہ مہیا ہو جاتا۔"(۶)

افسانہ "گڈریا" میں راوی کا اماں کہنا اور اشفاق احمد کا اپنی والدہ کو بھی اسی طرح پکارنا مماثل ہے۔ راوی کے والد ڈاکٹر ہیں اور حقیقت میں اشفاق احمد کے والد بھی شعبہ حیوانات کے ڈاکٹر تھے جنہوں نے اپنا ہسپتال بنایا ہوا تھا۔ جس کا ذکر اشفاق احمد اپنے افسانے میں یوں کرتے ہیں کہ: نویں جماعت کے شروع ہی سے مجھے ایک بُری عادت پڑ گئی اور اس بُری عادت نے عجیب گل کھلائے۔ حکیم علی احمد مرحوم ہمارے قصبے کے ایک ہی حکیم تھے۔۔۔ میں اپنے ہسپتال سے ان کے لیے خالی بوتلیں اور شیشیاں چُرا کر لاتا اور اس کے بدلے میں وہ مجھے داستانِ امیر حمزہ کی جلدیں پڑھنے کے لیے دیا کرتے۔۔۔۔ میں رات رات بھر اپنے بستر میں دبک کر انہیں پڑھا کرتا اور صبح دیر تک سویا رہتا۔۔۔ رات طلسم ہوشربا کے ایوانوں میں بسر ہوتی اور دن کلاس میں بنچ پر کھڑے ہو کر۔(۷) غیر نصابی سرگرمیوں کے علاوہ اشفاق احمد کے دوستوں کا گروہ بھی ایسے لڑکوں پر مشتمل تھا جو پڑھائی سے زیادہ شرارتوں میں مگن رہتے اور پھر اشفاق احمد کو سکول سے بھاگ کر قصبے کی دوسری رنگینیوں کو دیکھنے کا ہوکا بھی لگ گیا تھا۔ وہ اپنی سوانح "باباصاحبا" میں لکھتے ہیں:

"میں اُردو اور فارسی کے آخری پیریڈ چھوڑ کر کرپال سنگھ کی حویلی پر گھوڑے دیکھنے آ جاتا
تھا"۔(۸)

یہ مذموم سرگرمیاں اشفاق احمد کی تعلیمی راہ میں ناکامی کا سبب بنیں اور وہ میٹرک میں فیل ہو گئے۔ بانو قدسیہ "راہ رواں" میں بتاتی ہیں کہ "اشفاق احمد کو گھر میں ٹیوشن دینے کے لیے ماسٹر جی آتے تھے وہی ماسٹر جی جو خان صاحب کو "گولو مولو"

کہتے تھے اور دسویں میں پہلی بار فیل ہو جانے کے بعد ان ہی داؤ جی کے گھر جناب اشفاق احمد خان صاحب کو منتقل کر دیا گیا اور یہیں سے اُس ''گڈریا'' کی شخصیت اخذ کی گئی جو بعد میں اُردو ادب کے کلاسیک کا حصہ بن گئی''۔(۹) اشفاق احمد اپنی ناکامی پر افسوس ''دم بخود'' میں یوں کرتے ہیں: ''میں اس وقت نویں جماعت میں پڑھتا تھا اور اگر میرا ایک سال مارا نہ گیا ہوتا تو میٹرک پاس کر چکا ہوتا''۔(۱۰)

جبکہ افسانہ ''گڈریا'' میں یوں لکھتے ہیں:۔

> ''چھ لڑکے فیل تھے اور بائیس پاس۔۔۔ پنجاب کی جابر دانش گاہ نے میرا نام بھی ان چھ لڑکوں میں شامل کر دیا۔ اسی شام قبلہ گاہی نے بید سے میری پٹائی کی اور گھر سے باہر نکال دیا''۔(۱۱)

بانو قدسیہ سے ملنے والے شواہد اور اشفاق احمد کی افسانوی معلومات میں چونکہ یکسانیت پائی جاتی ہے لہذا ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ بظاہر اشفاق احمد نے اخفاء سے کام لیا ہے تاہم ڈھکے چھپے الفاظ میں نجی تفصیلات فراہم کر دی ہیں۔ اشفاق احمد کے والد طبیعت کے سخت تھے۔ اس حوالے سے ممتاز مفتی بتاتے ہیں کہ ''باپ ایک قابل محنتی اور جابر پٹھان تھا۔ جس کی مرضی کے خلاف گھر میں پتا بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ گھر کا ماحول روایتی تھا۔ بندشیں ہی بندشیں تھیں''۔(۱۲) والد کے خوف سے ہی انہوں نے داؤ جی کے گھر قیام کیا اور میٹرک ۱۹۴۳ء میں پاس کیا۔ دسویں مکتسر سے کرنے کے بعد اشفاق احمد فیروز پور چلے گئے۔ وہاں رام سکھ داس کالج میں داخلہ لیا۔ وہ اپنے سوانحی ناول ''کھیل تماشا'' میں بتاتے ہیں:

> ''کالج ہمارے ضلع کے صدر مقام میں واقع تھا اور ضلع میرے شہر سے پورے پچاس میل کی دوری پر تھا''۔(۱۳)

درج بالا اقتباس کو مد نظر رکھتے ہوئے افسانہ ''گڈریا'' سے رجوع کیا جائے تو افسانے کے حقیقی ہونے کی وضاحت ملتی ہے جہاں راوی بتاتا ہے کہ ''ہمارے قصبہ میں ہائی سکول ضرور تھا لیکن میٹرک کے امتحان کا سنٹر نہ تھا۔ امتحان دینے کے لیے ہمیں ضلع جانا ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ صبح آ گئی جب ہماری جماعت امتحان دینے کے لیے ضلع جا رہی تھی اور لاری کے ارد گرد والدین قسم کے لوگوں کا ایک ہجوم تھا''۔(۱۴) افسانہ ''گڈریا'' کے فیکشن ہونے کی تصدیق بانو قدسیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

> ''خان صاحب کے پیتل کو چمکانے والی ایک ماں سردار بیگم کی شخصیت تھی۔ دوسرے وہ داؤ جی تھے جنہوں نے خاں صاحب کی تربیت کی''۔(۱۵)

مزید لکھتی ہیں:۔

"مکتسر کی زندگی کے واقعات خود اشفاق صاحب اپنے افسانے "گڈریا" میں لکھ چکے ہیں"۔(۱۶)

افسانے میں راوی ہجرت کے واقعے اور اس کے بعد کی افراتفری کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔ لیکن اشفاق احمد اپنے سوانحی ناول "کھیل تماشا" میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ "چودہ اگست کی رات کو آل انڈیا ریڈیو لاہور سے پاکستان براڈکاسٹنگ سروس کی اناؤنسمنٹ ہوئی تو مکتسر کا علاقہ بھی پاکستان زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ آنے والی صبح ان مسلمانوں کے لیے قیامتِ صغریٰ ثابت ہوئی۔ یوں وہ مسلمان جو ابھی تک اس اُمید کو لیے بیٹھے تھے کہ وہ کہیں نہیں جائیں گے، انہیں بھی کوچ کرنا پڑا۔ ہمارا قافلہ رات کے ایک بجے نکلا۔۔۔۔۔۔ ہم اپنا آبائی شہر چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے"۔(۱۷)

درج بالا اقتباسات اور شواہد کی روشنی میں افسانہ "گڈریا" اور اشفاق احمد کی حقیقی زندگی سے مماثلتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ تاہم یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ خود اشفاق احمد اپنے افسانے کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اشفاق احمد "گڈریا" لکھنے کی توضیح یوں پیش کرتے ہیں کہ "اپنے افسانے گڈریے کے بارے میں کیا عرض کروں یہی کہ لکھا گیا اور دوسرے افسانوں کی طرح لکھا گیا اس کے لیے نہ کوئی خاص محنت کرنا پڑی نہ سوچنے کے لیے دماغ پر زور دیا۔۔۔ میری زندگی میں خاص کوئی اُستاد گڈریے کی نوعیت کا نہیں آیا۔ لیکن میں نے ایسے بہت سے استادوں کو دور سے ضرور دیکھا تھا۔۔۔ "گڈریا" میں نے کوئی دس گیارہ مختلف نشستوں میں لکھی ہے اور نہایت ہنگامہ پرور ماحول میں لکھی ہے۔۔۔ دوسرے افسانوں کے برعکس یہ کہانی لکھتے ہوئے نہ تو کبھی تسلسل، نہ ہی مجھے کل کا چھوڑا ہوا فقرہ مکمل کرنے میں دِقت محسوس ہوئی۔ میں غیر مرئی طاقتوں پر بڑا ایمان رکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کہانی مجھ سے کسی صاحبِ ذوق اور صاحبِ علم چنت رام نے لکھوائی ہے جو اپنے اُستاد سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ لیکن ان کی یاد میں خود کوئی نوشتہ نہ چھوڑ سکے تھے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک خوبصورت اور مرصع قصہ میرے نام سے چھپوایا اور اس کی مقبولیت کے لیے بھی دعا فرمائی"۔(۱۸)

درج بالا بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اشفاق احمد پر اس افسانہ کی آمد ہوئی تھی اور انہوں نے اسے بلا تامل تحریر کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اشفاق احمد ذہن رسا اور کہانی کہنے کا فن جانتے تھے۔ لیکن "گڈریا" کے لیے انہیں سوچنے، محنت کرنے اور دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئی کیونکہ یہ ان کے ذہن پر پہلے سے نقش تھی۔ کیونکہ افسانہ "گڈریا" میں قصبہ، نہر، بڑا بھائی آفتاب، حویلی، اماں کا داؤ جی کے گھر دودھ بھجوانا، کالج میں داخلہ، چھٹیوں میں گھر آنا، فسادات، قصبہ میں گھروں کا آگ لگنا اور مہاجرین کا سلسلہ۔۔۔ یہ سب اشفاق احمد کے سوانحی کوائف درج ہیں جو ہمیں ان کی آپ بیتی "بابا صاحبا"،

سوانحی ناول ''کھیل تماشا'' بانو قدسیہ کی لکھی گئی سوانح ''راہِ رواں'' اور دیگر تصانیف سے ملتے ہیں۔ اشفاق احمد نے اپنے سوانحی ناول ''کھیل تماشا'' میں ماسٹر اقبال سنگھ سے ملنے والے خط کا متن یوں نقل کیا ہے:

> ''ماسٹر نند کشور اگروال کہتے ہیں کہ تم نے کہانیوں کی ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں داؤ چنت رام کی کہانی درج ہے۔ کیا یہ درست ہے کہ تم نے ایسی کوئی کہانی لکھی ہے اور کیا داؤ جی کو پتا تھا کہ تم نے ان کا حال احوال درج کر کے اپنے اُستاد کا مان بڑھایا تھا۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ لیکن میں نے ان کے لڑکے امی چند سے پوچھا تھا۔ وہ اس کہانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں بھی ایک طرح سے تمہارا اُستاد ہی ہوں۔ گو اتنا مہا پرش نہیں جتنے داؤ جی تھے۔ لیکن اگر مجھ پر کوئی کہانی لکھنا تو مجھے بتا ضرور دینا''۔(۱۹)

درج بالا مستند معلومات اور قابلِ یقین شواہد کی موجودگی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں کہ ''گڈریا'' کے داؤ جی حقیقتاً اشفاق احمد کے اُستاد اور راوی خود اشفاق احمد ہیں۔ اشفاق احمد کے اس سچائی کو پردۂ اخفا میں رکھنے کی کوئی بڑی وجہ سامنے نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ انہیں ''گڈریا'' سے ملنے والی تعریف و توصیف کے کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ یا اپنی تخلیقی قوت کا اظہار انہیں زیادہ خوشی دیتا ہو۔ اگر یہ افسانہ حقائق پر مبنی نہ ہوتا تو یقیناً بانو قدسیہ ''راہِ رواں'' میں ایسے کسی بھی بیان سے احتراز برتتیں۔ اور اشفاق احمد بھی اپنے ناول میں اس کا ذکر نہ کرتے۔ تاہم یہ حقیقت عیاں ہو جانے سے بھی ''گڈریا'' اور اشفاق احمد دونوں کی ادبی حیثیت کم نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام توجیہات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشفاق احمد کا افسانہ ''گڈریا'' دراصل "Fact" اور "Fiction" کا اتصال ہے جسے "Faction" کہہ سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انتظار حسین، ''صوفی، ملا اور اشفاق احمد'' مشمولہ، راوی: اشفاق احمد نمبر، جلد ۹۲، شمارہ اکتوبر (لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۵۔

۲۔ مشتاق احمد یوسفی، آبِ گم (کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۳۔۱۴۔

۳۔ اے حمید، داستان گو: اشفاق احمد (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص ۴، ۵۔

۴۔ بانو قدسیہ، راہِ رواں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۸۔

۵۔ اشفاق احمد، ''گڈریا'' مشمولہ، گڈریا: اُجلے پھول (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۰۔

۶ ۔ اشفاق احمد، ''اماں سردار بیگم ''مشمولہ، صبحانے فسانے (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۶۔۷

۷ ۔ اشفاق احمد، ''گڈریا''مشمولہ، گڈریا: اُجلے پھول، ص ۱۵، ۱۶۔

۸ ۔ اشفاق احمد، بابا صاحبا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۶۔

۹۔ بانو قدسیہ، راہِ رواں، ص ۱۶۔

۱۰۔ اشفاق احمد، ''دم بخود''مشمولہ، صُبحانے فسانے، ص ۱۷۶۔

۱۱۔ اشفاق احمد، ''گڈریا''مشمولہ، گڈریا: اُجلے پھول، ص ۱۶۔

۱۲ ۔ ممتاز مفتی، ''اشفاق احمد۔ داستان گو''مشمولہ، اور اوکھے لوگ (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۱ء)، ص ۹۷۔

۱۳ ۔ اشفاق احمد، کھیل تماشا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۷۔

۱۴ ۔ اشفاق احمد، ''گڈریا''مشمولہ، گڈریا: اُجلے پھول، ص ۴۴۔

۱۵ ۔ بانو قدسیہ، راہِ رواں، ص ۳۳۸۔

۱۶ ۔ ایضاً، ص ۲۱۷۔

۱۷ ۔ اشفاق احمد، کھیل تماشا، ص ۵۵-۵۷۔

۱۸ ۔ اشفاق احمد، ''گڈریا''مشمولہ، عرضِ مصنف (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۵۹، ۶۰۔

۱۹ ۔ اشفاق احمد، کھیل تماشا، ص ۹۸۔

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk